پل

انسانوں کا حکمران بلکہ بالائی طبقہ سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟ انسانی حقوق کیا ہیں؟ ان کو کیسے محفوظ رکھا جائے گا؟ اسی طرز کے اہم سوالات سینکڑوں برس سے مسلسل اٹھائے جارہے ہیں۔ ایتھنز کی فکر‘ وہ زمین فراہم کرتی ہے‘ جہاں آج کی جمہوریت کا پھلدار درخت اگ کر سامنے آتا ہے۔ سوچنے والا طبقہ ہر معاشرہ میں‘ ازل سے موجود ہے۔ شہری ریاستوں (City states) میں جمہوریت کا اصول تقریباً دو سو سال تک عمل پیرا رہا۔ قبل مسیح کے دورانیہ کا ذکر کر رہا ہوں۔ روم میں بھی کسی حد تک لوگوں کے حقوق اور ریاست کے مابین تعلق کو اس وقت کی ’’سینیٹ‘‘ کے ذریعہ حل کیا گیا تھا۔ موجود صورت کی جمہوری اقدار میں بہر حال یورپ کا طرز حکومت سولہویں صدی سے نظر آتا ہے۔ یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ ’’فرانسیسی انقلاب‘‘ اور برطانوی سوچ آج کے دور کی عملی شکل بنی۔ یہاں ایک مشکل موجود ہے۔ کسی بھی مذہب نے اس حد درجہ سنجیدہ بحث کو نمایاں کرنے میں کوئی مدد نہیں کی۔ فکر کی بابت عرض کر رہا ہوں۔ مذہبی اقتدار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ برصغیر کی صورت حال آج سے تقریباً آٹھ دہائیاں قبل وہی تھی۔ جو یورپ میں تقریباً ڈھائی تین سو برس پہلے موجود تھی۔ راجے‘ مہاراجے‘ نواب اور بادشاہت بھرپور طور پر عام آدمی کے استحصال پر قائم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی وہ عنصر ہے جس کی حکومت سے ہندوستان کو متعدد اچھے اور برے طریقوں سے سراب کیا۔ فرنگی نہ آتے‘ تو آج بھی ہم لوگ‘ غلاموں‘ کنیزوں اور درباریوں پر محیط ایسا معاشرہ ہوتے‘ جس میں ترقی پسند سوچ کی بیخ کنی کی گئی تھی۔ بہر حال‘ انگلستان کے قبضہ نے خطہ میں تعلیم‘ صحت‘ ذرائع ابلاغ‘ سڑکوں‘ نہروں اور صنعت کی نیہ رکھی۔ مثبت کام کرنے میں‘ دراصل تاج برطانیہ کا فائدہ چھپا ہوا تھا۔ بہر حال‘ اس دور کے مثبت کارناموں سے صرف نظر کرنا ناممکن ہے۔ طالب علم کی نظر میں‘ برطانوی دور کی ایک کامیاب پالیسی یہ تھی کہ یورپ کی قدیم یونیورسٹیوں کے دروازے‘ برصغیر کے باسیوں کے لئے کھول دیئے۔ جس معاشرتی‘ سماجی اور سیاسی تغیر سے ہمارا معاشرہ گزرا ہے بلکہ یہ عرض کرنا زیادہ مناسب ہے کہ گزر رہا ہے۔ اس میں برطانوی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد کا کلیدی کردار ہے۔ محمد علی جناح‘ گاندھی‘ نہرو‘ چوہدری رحمت علی اور دیگر مضبوط سیاسی سوچ کے حامل افراد‘ برطانوی جمہوریت اور اس کی فکری جدوجہد سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ یہ ہندوستان میں بھی اسی طرح کی انسان دوست حکومت چاہتے تھے۔ اس کام میں کتنے کامیاب ہوئے۔ اس پر کئی پہلو دار بحث موجود ہے۔ ویسے بھی معاشرہ کبھی بھی جمود کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ ہر پل تغیر میں رہتا ہے۔ تقسیم ہند کی فکری بنیاد ’’نیشن سٹیٹ‘‘ (Nation state) کے جدید خیال پر قائم ہوئی تھی۔ پاکستان سے بننے کے بعد ہمیں قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ نئی ریاست کو عملی طور پر کیسے چلانا ہے۔؟ یہ مسئلہ آج بھی پوری سنجیدگی کے ساتھ ایک دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ ہمارے قائدین کے پاس‘ انتظامی امور کی کسی قسم کی تربیت موجود نہیں تھی۔ مسئلہ یہ بھی تھا اور ہے‘ کہ جدید ریاست کے بنیادی خدوخال کے متعلق ان کا شعور کافی دھندلا سا تھا۔

ہمارے ملک میں ایک المیہ یہ بھی برپا ہوا کہ سرمایہ دار طبقہ نے اپنی گرفت قائم رکھنے کے لئے جمہوریت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ طرز عمل وہی تھا جو برٹش راج سے پہلے کا تھا۔ عوامی مفاد کا نعرہ ضرور لگایا گیا۔ مگر ریاست میں جدید سوچ کی بیخ کنی کی گئی۔ یہ طبقاتی جنگ ہے جو آج بھی صرف اور صرف‘ لباس بدل کر سامنے نئے رنگ میں موجود ہے۔ عزائم بالکل پرانے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد‘ کم از کم پاکستان میں یہ ہوا کہ تاجر اور صنعتی خانوادے‘ ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے خلا کو پر کرنے لگے۔ ہمارے پاس انسانی حقوق یا جمہوریت کا کوئی جدید ماڈل نہیں تھا۔ لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ قدامت پسند طبقہ نے بڑی کامیابی سے ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا۔ ان کا جمہوریت سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ مجبوری کے عالم میں جب‘ عوام کو حق رائے دہی دینے کی بات ہوئی تو کوئی بھی قانونی اور سیاسی فریم ورک تک موجود نہیں تھا۔ جس پر عمل کیا جا سکے۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جدید سوچ کو ہمارے ہاں‘ عملی طور پر برباد کیا گیا۔ جب تاجر طبقہ‘ سرمایہ کی بنیاد پر ریاست پر قابض ہو گیا۔ تو وہ زہر قاتل نظام وجود میں آیا جو ہمارے ملک میں آج تک قائم ہے۔ دراصل ہمارے بالائی طبقہ اور جمہوری اقدار آپس میں میل نہیں کھاتے بلکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس جنگ میں کامیاب ہونے کے لئے‘ مذہب کو صرف نعرہ کی حد تک استعمال کیا گیا۔ مذہب کو‘ جدت پسند سوچ دبانے کے لئے بھی ظالمانہ طور پر غلط استعمال کرنا حکمران طبقے کا وطیرہ بن گیا۔ ہمارے ملک میں دراصل‘ جمہوریت کے اقدار سے ہمیشہ ڈرایا گیا۔ بالائی طبقہ کے پاس ریاست پر قبضہ کا کوئی اخلاقی جواب نہیں تھا۔ لہٰذا جمہور جس کی بدولت فرانس‘ برطانیہ اور امریکہ نے حد درجہ ترقی کی۔ اسے اپنے مفاد کے تابع کر دیا گیا۔ یوں کہنا چاہیے۔ گذشتہ سات دہائیوں سے پیہم جاری ہے۔ اس میں اصل نقطہ‘ عوام کو شریک اقتدار بنانے کے اصول کی نفی کرنا ہے۔ مارشل لاء‘ ہمارے ملک کی اپنی ایجاد کردہ جمہوریت‘ صرف اور صرف اس بالا دستی کو قائم رکھتا ہے۔ یاد رکھیے کہ تقسیم ہند کے بعد آج تک جمہوریت کا وہ درخت‘ جس سے مغرب بالا دست ہوا۔ ہمارے معاشرے میں اسے زہر آلود ثابت کر دیا گیا۔ اصل اقتدار‘ کبھی بھی عوام یا عوامی نمائندوں کو منتقل نہیں ہوا۔ آج بھی سب کچھ اسی طبقاتی نظام کو استحکام دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ جو جمہوری اقتدار سے بالکل متضاد ہیں۔

صرف کتابی جائزہ لیں۔ تو ہمارے ملک میں تمام جمہوری ادارے موجود ہیں۔ جیسے وفاقی اور صوبائی پارلیمنٹ‘ کاغذی عدلیہ‘ کابینہ‘ الیکشن کمیشن وغیرہ۔ سب پھل پھول رہے ہیں۔ اگر کوئی مغربی وفد‘ ملک میں جمہوری اداروں اور طرز عمل کو پرکھنے کے لئے آئے۔ تو ہمارے درباری ماہرین‘ انہیں پورا مطمئن کر سکتے ہیں۔ کہ اس خطے سب کچھ جدید طریقہ سے جاری وساری ہے۔ یہ کسی حد تک درست بات بھی ہے۔ کاغذ پر تو سب اچھا ہے۔ لہٰذا اس مفروضہ سے مغرب کو قائل کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ جو نا کام ہونے کے باوجود کامیاب ہے۔ کیا اب آپ کو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کسی بھی بین الاقوامی فورم پر صرف فارم 47 سے مستفید لوگ کیوں بھیجے جاتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ مغرب کو اس ابہام میں رکھا جائے کہ ہم ایک ترقی یافتہ ملک ہیں؟ یہ equation اس وقت دباؤ میں آئی۔ جب ذرائع ابلاغ نے فکر کو حقیقت سے روشناس کروا دیا۔ ساتھ ہی ساتھ کروڑوں پاکستانی مغرب میں جا پہنچے۔ انہیں معلوم ہوا کہ ریاست اور شہری کا اصل تعلق کیا ہے۔ وہ کون سا عمرانی معاہدہ ہے جو حکومت کو عوام کی بھلائی پر مجبور کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ معاہدہ لکھا ہوا بھی ہو۔ جیسے برطانیہ میں کوئی آئین‘ کتاب کی شکل میں موجود نہیں ہے۔ مگر‘ پورا نظام‘ عوام کے حقوق کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں آئین کی حد تک تمام اچھی اچھی باتیں درج کی جا چکی ہیں۔ عملی طور پر آئین کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ریاست کسی بھی طرح‘ عام آدمی کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہے۔ بلکہ یہاں معاملہ الٹا ہے۔ ہمارا‘ حکومتی کلچر‘ دراصل Extractive طرز کا ہے۔ ہر حکومت‘ صرف رعایا سے ٹیکس لینے کے لئے جدوجہد کرتی نظر آتی ہے۔ کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وزیراعظم یا وزیراعلیٰ سے پوچھ سکے کہ آپ اس سرمایہ کو کس طرح استعمال کر رہے ہیں؟ ممکن نہیں۔ قرون وسطیٰ کی حکومتوں کی طرح‘ سوال کرنے والا‘ غدار کہلاتا ہے۔ جہاں جہاں مسلمان حکومتیں ہیں‘ وہاں جمہوریت موجود نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مہیب مسئلہ ہے۔ جس کو حل کرنا‘ موجودہ حالات میں ناممکن نظر آتا ہے۔

سیاسی نظر آنے والی جنگ صرف اور صرف اقتصادی ہے۔ ایک طبقہ کسی صورت میں مراعات اور ظلم کی حد تک سہولتیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا رہن سہن‘ سوچ اور طرز زندگی بھی عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ تمام نظام‘ لوگوں کی شریانوں سے خون نکالنے کو بھی قطعاً برا نہیں سمجھتا۔ یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ ہم اپنے ملک کے دوست اور دشمن‘ منتخب کر سکیں۔ ہندوستان سے ہماری کس بنیاد پر مسلسل لڑائی ہے۔ اس کا کوئی جواز نہیں دیا جاتا؟ بلکہ اگر آپ کشمیر کے مسئلہ پر ڈائیلاگ کی بات کریں۔ تو فوراً ہندوستانی ایجنٹ کہا جا سکتا ہے؟ بالکل اس طرح‘ ہم سعودی عرب کے اتنا نزدیک کیوں ہیں۔ اس کا بھی کسی کو معلوم نہیں؟ چین نے ہماری مقامی صنعت دحرفت کو آہستہ آہستہ‘ حد درجہ نقصان پہنچایا مگر ہماری دوستی ہمالیہ سے بھی اونچی ہے؟ صرف اس لئے کہ جعلی ترقی کا ڈھول پیٹنے کے لئے چین سے کمیشن پر قرضہ لینا مجبوری ہے؟ یہ طبقاتی جنگ اب حد درجہ خطرناک موڑ پر کھڑی ہے۔ کاغذ پر جمہوریت کا مکمل ہونا‘ نئی فکر سے متضاد ہے۔ بالائی طبقہ ہر قیمت پر اپنا کنٹرول قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یہ اب کشمکش نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا پل ہے جو عبور بھی ہو سکتا ہے یا دوسری صورت میں ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ آنے والا وقت کسی طرح کے حقائق سامنے لاتا ہے۔ اس پر قطعی طور پر کچھ بھی کہنا ممکن نہیں؟